عقائد شناسی

علامہ محمد حسین طباطبائی

شیعوں کی مذہبی فکر

شیعیت میں فلسفیانہ اور دینی خیالات

جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے، اسلام نے عقلی فکر کو جائز قرار دیا ہے اور اس کی تائید کی ہے اور اسے دینی فکر کا ایک حصہ تصور کرتا ہے۔ عقلی فکر اپنے اسلامی معنوں میں رسول اکرمؐ کی پیشین گوئی کی تصدیق کرتے ہوئے کلام اللہ یعنی قرآن مجید کے ظاہری پہلو اور آنحضرتؐ اور آپ کے اہل بیتؑ کی مسلمہ حدیثوں کی صحت کا عقلی استدلال پیش کرتی ہے۔

عقلی ثبوت انسان کو اس کی خداداد فطرت کی بدولت مختلف مسائل حل کرنے میں مدد دیتے ہیں اور ان کی دو قسمیں ہیں یعنی برہان اور جدل۔ برہان وہ ثبوت ہے جس کے مقدمات درست ہوں (حقیقت سے مطابقت رکھتے ہوں) خواہ وہ قابل مشاہدہ اور واضح نہ ہوں۔ دوسرے لفظوں میں یہ ایک قول یا مسئلہ ہوتا ہے جس کا انسان اپنی خداداد ذہانت سے ادراک کرتا ہے اور اس کی لازمی طور پر تصدیق کرتا ہے۔ مثلاً جب وہ اس بات کو سمجھتا ہے کہ تین کا ہندسہ چار سے چھوٹا ہوتا ہے، اس قسم کی فکر کو عقلی فکر کہا جاتا ہے اور جب اس کا تعلق دنیا اور انسان کے آغاز و انجام جیسے عالمگیر مسائل اور کلیات سے ہو تو اس قسم کی فکر فلسفیانہ فکر کہلاتی ہے۔

'جدل' ایک ایسا ثبوت ہے جس کے تمام یا کچھ مقدمات قابل مشاہدہ اور یقینی معلومات پر مبنی ہوتے ہیں مثلاً کسی مذہب کے ماننے والوں کا عام طریقہ یہ ہو کہ وہ اپنے اپنے دینی عقائد کو اس مذہب کے یقینی اور واضح اصولوں کے حوالے سے ثابت کریں۔

قرآن مجید نے یہ دونوں طریقے استعمال کیے ہیں اور بہت سی آیات میں ان کی توثیق کی گئی ہے۔ سب سے پہلے وہ عالم ہستی کے آفاقی اصولوں اور کائنات کے عام نظام اور ساتھ ہی آسمان، دن، رات، زمین، آسمان، چاند ستاروں، سیاروں، جانوروں اور انسانوں وغیرہ جیسے مخصوص نظاموں کے بارے میں آزادانہ تحقیق اور غور وفکر کا حکم دیتا ہے۔ وہ ان اشیاء کے بارے میں ذہنی کاوشوں کی بیحد تعریف کرتا ہے۔

اس کے علاوہ قرآن مجید نے انسان کو جدلی غور فکر کا حکم دیا ہے (جسے عموماً کلامی بحث کہا جاتا ہے) بشرطیکہ اسے بہترین طریقے سے انجام دیا جائے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا مقصد کسی جھگڑے کے بغیر حقیقت کا اظہار ہو اور اس میں وہ اشخاص حصہ لیں جو ضروری اخلاقی فضائل کے مالک ہوں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

''اے رسولؐ! تم لوگوں کو حکمت اور اچھی نصیحتوں کے ذریعے اپنے پروردگار کی راہ پر بلاؤ اور بحث ومباحثہ (وجادِلھم) بھی کرو تو اس طریقے سے جو سب سے اچھا ہو۔'' (سورہ نحل۔ آیت ۱۲۵)

اسلامی فلسفہ اور کلام میں اہل تشیع کی پیش قدمی

جہاں تک علم کلام کا تعلق ہے یہ امر واضح ہے کہ ابتدائی دور میں ہی اکثریت سے الگ ہونے کے بعد ہی شیعوں نے اپنے مخصوص نقطہ نگاہ کے بارے میں اپنے مخالفین سے بحث ومباحثہ شروع کر دیا تھا۔ یہ درست ہے کہ مناظرہ کے دو فریق ہوتے ہیں جو اس میں حصہ لیتے ہیں تاہم شیعہ مسلسل پیش قدمی کرتے تھے علم کلام کی بتدریج ترقی کے ساتھ ساتھ جو دوسری اور تیسری صدی ہجری میں معتزلہ مکتب کی اشاعت کے ساتھ عروج کو پہنچ گئی شیعہ علماء، جو مکتب اہلبیتؑ کے تربیت یافتہ تھے، علم کلام کے صف اول کے استاد بن گئے[1] علاوہ ازایں سنی علمائے دینیات کا سلسلہ بھی۔ خواہ وہ اشعری ہوں، معتزلہ ہوں یا کوئی اور ہوں۔ شیعوں کے پہلے امام یعنی

حضرت علیؑ سے جاملتا ہے۔

جہاں تک فلسفہ کا تعلق ہے یہ جو لوگ اصحاب رسولؐ (جن کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی اور جن میں سے بارہ ہزار کے نام ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں) کے اقوال سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ان میں فلسفیانہ مسائل کے بارے میں زیادہ مواد موجود نہیں ہے۔ یہ فقط حضرت علیؑ ہی ہیں جن کے مابعد الطبیعیات کے بارے میں گرانبہا ارشادات میں عمیق ترین فلسفیانہ خیالات پائے جاتے ہیں۔

صحابہ کو اور ان کے بعد آنے والے علماء کو بلکہ زمانے کے عربوں کو بالعموم آزادانہ عقلی مباحث سے کوئی واقفیت حاصل نہ تھی۔ پہلی دو صدیوں سے تعلق رکھنے والے علماء کی تحریروں میں فلسفیانہ خیالات کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ فقط ائمہ اہلبیتؑ کے عمیق اقوال میں اور بالخصوص پہلے اور آٹھویں امام کے ارشادات میں اسلامی فلسفیانہ خیالات کا لامحدود خزانہ ملتا ہے۔ وہی بزرگوار تھے جنہوں نے اپنے کچھ شاگردوں کو اس انداز فکر کی تعلیم دی۔

دوسری صدی ہجری تک، جب بعض فلسفیانہ تصانیف کو عربی میں ترجمہ کیا گیا، عرب فلسفیانہ خیالات سے ناواقف تھے۔ بعد میں تیسری صدی ہجری میں بہت سی فلسفیانہ تحریریں یونانی اور سریانی سے عربی میں منتقل کی گئیں اور ان کی بدولت عام لوگ فلسفیانہ طرز فکر سے آشنا ہوئے تاہم دینیات اور فقہ کے اکثر علماء فلسفے اور دوسرے عقلی علوم کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔ چونکہ ان علوم کو حکومت وقت کی سرپرستی حاصل تھی اس لئے ابتداء میں ان کی مخالفت زیادہ مؤثر ثابت نہیں ہوئی تاہم حالات میں بہت جلد تبدیلی رونما ہوئی اور بڑے سخت احکامات کے تحت بہت سی فلسفیانہ کتابیں ضائع کر دی گئیں رسائل اخوان الصفاء جو بعض نامعلوم مصنفین کی تصنیف ہے اس زمانے کی یاد دلاتی ہے اور اس دور کے نامساعد حالات پر روشنی ڈالتی ہے۔

اس مشکل دور کے بعد چوتھی صدی ہجری کی ابتداء میں مشہور فلسفی ابونصر فارابی کے

ہاتھوں فلسفے کا احیاء ہوا اور پانچویں صدی ہجری میں مشہور عالم فلسفی ابن سینا کی تصانیف کی بدولت ارسطو کے فلسفے نے ترقی کی تمام منزلیں طے کرلیں، چھٹی صدی ہجری میں شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی نے فلسفہ اشراق ترتیب دیا جس کی بنا پر اسے صلاح الدین ایوبی کے حکم کے تحت قتل کردیا گیا۔ اس کے بعد سنی دنیا یعنی مسلمانوں کی اکثریت میں فلسفے کا خاتمہ ہوگیا۔ اس کے بعد مسلمانوں کے اس طبقے میں اندلس کے علاوہ کہیں کوئی قابل ذکر فلسفی پیدا نہیں ہوا۔ اندلس میں چھٹی صدی ہجری میں ابن رشد نے فلسفے کا احیاء کیا۔ [۳]

فلسفہ اور عقلی علوم میں اہل تشیع کا حصہ

جس طرح ابتدائی دور میں شیعیت نے اسلامی فلسفیانہ فکر کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا تھا، بالکل اسی طرح شیعہ علماء دیگر اسلامی علوم کی پیشرفت میں بھی بہت مدد اور معاون ثابت ہوئے۔ اگر چہ ابن رشد کی وفات کے بعد فلسفہ سنی دنیا سے نابود ہوگیا تھا لیکن شیعیت میں موجود رہا۔ ابن رشد کے بعد خواجہ نصیر الدین طوسی میر داماد اور صدر الدین شیرازی (صدر المتألہین) جیسے بلند پایہ فلسفی پیدا ہوئے جنہوں نے یکے بعد دیگرے فلسفے کا مطالعہ کیا اور اسے ترقی دی۔ اسی طرح دوسرے عقلی علوم کے ماہر بھی آسمان علم پر درخشاں ستارہ بن کر چمکے۔ مثلاً خواجہ نصیر الدین طوسی فلسفی ہونے کے علاوہ ریاضی دان بھی تھے اسی طرح میر جندی بھی ایک سربرآوردہ ریاضی دان تھے۔

شیعہ علماء کی ان تھک کوششوں کی بدولت تمام علوم اور بالخصوص مابعد الطبیعیات اور الٰہیات (یا حکمت الٰہی) نے بیحد ترقی کی۔ اس بات کا اندازہ نصیر الدین طوسی، شمس الدین ترکہ، میر داماد اور صدر المتالہین کی تصانیف کا ان کے پیشروؤں کی تصانیف سے مقابلہ کرکے لگایا جاسکتا ہے۔ [۴]

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جو چیز شیعیت میں فلسفیانہ اور مابعد الطبیعیاتی افکار کی پیدائش کا باعث ہوئی (اور شیعیت کے ذریعہ یہ افکار دوسرے اسلامی مکاتب میں پھیلے) وہ علم

کا وہ بیش بہا خزانہ تھا جو ائمہ اطہارؑ نے مسلمانوں کے لئے چھوڑا تھا۔ اس طرز فکر کی شیعیت میں مسلسل موجودگی اسی علم کے خزانے کی وجہ سے ہے جسے اہل تشیع عقیدت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

اگر ائمہ اطہارؑ کے چھوڑے ہوئے علمی خزانے کا مقابلہ کئی صدیوں سے لکھی گئی فلسفیانہ تصانیف سے کیا جائے تو صورت حال بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔ اس مقابلے سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی فلسفے نے ہر قدم پر اس علمی خزانے سے کیسے استفادہ کیا حتیٰ کہ گیارہویں صدی ہجری میں اسلامی فلسفہ اور یہ الہامی گنجینۂ دانش ایک دوسرے سے قریب تر ہو گئے تھے۔ اگر ان میں کوئی فرق رونما ہوا تو وہ فقط فلسفے کے اصولوں کی تعبیر کے بارے میں تھا۔

ممتاز شیعہ فلسفی

ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی (وفات ۳۲۹ ہجری بمطابق ۹۴۰ میلادی) اہل تشیع میں وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شیعیت کی روایات کو "اصول" (ہر ایک شیعہ عالم حدیث نے ائمہ اطہارؑ کے اقوال کتابی شکل میں جمع کیے تھے اور اسے "اصل" کا نام دیا تھا) سے الگ کر کے فقہ اور احکام دین کے عنوانات کے تحت ترتیب دیا۔ کلینی کی کتاب کا نام "کافی" ہے اور یہ تین حصوں یعنی اصول، فروع اور متفرق احکام (روضہ) میں منقسم ہے۔ اس میں ۱۶۱۹۹ احادیث درج ہیں اور یہ دنیائے شیعیت میں حدیث کی معتبر اور مشہور ترین کتاب ہے۔ تین اور کتابیں جو "کافی" کی متمم ہیں مشہور فقیہ شیخ صدوق محمد بن بابویہ قمی (متوفی ۳۸۱ ہجری بمطابق ۹۹۱ میلادی) کی کتاب "من لایحضر الفقیہ" اور شیخ محمد طوسی (متوفی ۴۶۰ ہجری بمطابق ۱۰۶۸ میلادی) کی دو کتب "استبصار" اور "تہذیب الاحکام" ہیں۔

ابو القاسم جعفر بن حسن بن یحییٰ حلی (متوفی ۶۷۶ ہجری بمطابق ۱۲۷۷ میلادی) جو محقق کے لقب سے مشہور ہیں دنیائے فقہ کی ایک مایہ ناز ہستی ہیں اور انہیں عظیم ترین شیعہ

فقیہ تسلیم کیا جاتا ہے ۔ ''مختصر نافع اور شرائع الاسلام'' ان کی شاہکار تصانیف ہیں جو گذشتہ سات سو سال سے شیعہ فقہاء کی رہنمائی کر رہی ہیں۔

محقق کے بعد شہید اول محمد بن جمال الدین مکی عاملی کا نام آتا ہے جنہیں ۷۸۶ ہجری (بمطابق ۱۳۸۴ میلادی) میں شیعہ ہونے کے جرم میں دمشق میں قتل کر دیا گیا ۔ ان کے فقہی شاہکاروں میں سے ایک ''لمعۂ دمشقیہ'' ہے۔ یہ کتاب انہوں نے قید خانے میں سات دن میں لکھی۔

ان کے علاوہ یہاں شیخ جعفر کاشف الغطاء کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جو ۱۳۲۷ ہجری (بمطابق ۱۹۰۹ میلادی) میں فوت ہوئے ۔ ان کی مایہ ناز فقہی تصانیف میں سے ایک کا نام ''کتاب کشف الغطاء'' ہے۔

خواجہ نصیر الدین طوسی (متوفی ۶۷۲ ہجری بمطابق ۱۲۷۴ میلادی) وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ''کلام'' کو ایک مکمل علم کی شکل دی ۔ اس موضوع پر ''تجرید الکلام'' نامی کتاب ان کا شاہکار ہے جو گزشتہ سات سو سال سے اس شعبہ میں سند کا درجہ رکھتی ہے۔ اہل سنت اور اہل تشیع نے اس کی بہت سی شرحیں لکھی ہیں۔ علم کلام میں ید طولیٰ رکھنے کے علاوہ وہ فلسفہ اور ریاضی میں بھی بہت ممتاز مقام کے مالک ہیں۔ علاوہ ازیں مراغہ کی رصد گاہ بھی انہیں کی کوششوں سے وجود میں آئی۔

صدر الدین شیرازی، (متوفی ۱۰۵۰ ہجری بمطابق ۱۶۴۰ میلادی) جو ملا صدرا اور صدر المتألہین کے ناموں سے مشہور ہیں، وہ پہلے فلسفی ہیں جنہوں نے اسلام میں فلسفے کی صدیوں کی ترقی کے بعد فلسفیانہ مسائل کی بحثوں میں مکمل نظم اور ہم آہنگی پیدا کی۔ انہوں نے ان مسائل کو ریاضی کے مسائل کی طرح ترتیب دیا اور ساتھ ہی ساتھ فلسفے کو عرفان سے منسلک کر دیا جس سے بڑے اہم نتائج برآمد ہوئے۔ انہوں نے فلسفیانہ بحث کی نئی راہیں کھولیں اور بہت سے ایسے مسائل حل کیے جو ارسطو کے فلسفے سے حل نہ ہو سکتے تھے۔ انہوں

نے کئی ایک عارفانہ مسائل کا تجزیہ کر کے انہیں حل کیا جو اس وقت تک لاینحل اور عقلی فکر سے بالاتر سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے دین کے ظاہری مآخذ اور ائمہ اہل بیتؑ کے عمیق الٰہیاتی ارشادات میں موجود علم و دانش کے کئی ایسے جواہر پاروں کی وضاحت کی جو صدیوں سے معما بنے ہوئے تھے اور اکثر خیال کیا جاتا تھا کہ ان کی نوعیت مجازی ہے یا وہ مبہم ہیں۔ یوں انہوں نے عرفان، فلسفہ اور دین کے ظاہری پہلو میں ہم آہنگی پیدا کر دی اور وہ ایک راہ پر چلنے لگے۔

ملا صدرا نے جس طریقے کو ترقی دی اس کی بدولت وہ حرکت جوہر یہ کو ثابت کرنے اور بعد (لمبائی، چوڑائی اور گہرائی) کے ساتھ وقت کا گہرا تعلق ثابت کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ وہی بات ہے جسے طبیعیات میں بعد چہارم کا نظریہ کہا جاتا ہے اور جو نظریہ اضافیت (یعنی ذہن میں نہیں بلکہ ذہن سے باہر کی دنیا میں اضافیت) اور دوسرے کئی مشہور نظریات سے ملتا جلتا ہے۔ ملا صدرا نے تقریباً ۵۰ رسالے اور کتابیں لکھیں۔ ان کے عظیم شاہکاروں میں سے ایک ''اسفار'' نامی کتاب ہے جو چار جلدوں میں ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ملا صدرا سے پہلے بھی کئی ایک حکماء نے (مثلاً شیخ سہروردی نے جو چھٹی صدی ہجری کے فلسفی اور حکمت الاشراق کے مصنف ہیں اور شمس الدین ترکہ نے، جو آٹھویں صدی ہجری کے فلسفی ہیں عرفان، فلسفہ اور ظواہر دینی کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کام کی تکمیل کا سہرا ملا صدرا کے سر ہے شیخ مرتضیٰ انصاری شوستری (متوفی ۱۲۸۱ ہجری بمطابق ۱۸۶۴ میلادی) نے اصول فقہ کو نئی بنیادوں پر استوار کیا اور اس کے عملی اصول وضع کیے۔ ایک صدی سے زیادہ عرصے سے شیعہ علماء ان کے مکتب فکر کی پوری مستعدی سے تقلید کر رہے ہیں۔

تیسرا طریقہ: کشف

انسان اور درکِ عرفان

اگر چہ لوگ زیادہ تر تلاش معاش میں مصروف رہتے ہیں اور روحانی معاملات کی

جانب کم توجہ دیتے ہیں تاہم قطعی حقیقت کو پہنچانے کی خواہش ہر انسان کی فطرت میں موجود ہے۔ بعض لوگوں میں یہ خوابیدہ قوت بیدار ہو کر بالکل ظاہر ہو جاتی ہے جس کے نتیجہ میں انہیں کئی ایک روحانی ادراکات حاصل ہوتے ہیں۔

سوفسطائیوں اور منکرین مذہب کے اس دعوے کے باوجود کہ ہر سچائی اور حقیقت ایک دھوکہ اور فریب ہے۔ ہر شخص ایک ابدی حقیقت پر ایمان رکھتا ہے۔ اکثر جب انسان صاف دل اور پاک روح کے ساتھ کائنات اور مخلوق پر محیط ابدی حقیقت پر نگاہ ڈالتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ دنیا کے گوناگوں اجزاء کی ناپائیداری کا مشاہدہ کرتا ہے تو اسے اس امر کا احساس ہوتا ہے کہ دنیا اور اس کے مظاہر ایسے آئینے ہیں جن میں ابدی حقیقت کا جمال منعکس ہوتا ہے۔ اس حقیقت کے ادراک سے مشاہدہ کرنے والے کو جو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ وہ ہر دوسری خوشی کو اس کے دل سے محو کر دیتی ہے اور ہر دوسری چیز اس کی نگاہوں میں ہیچ اور بے وقعت ہو جاتی ہے۔

یہ نظارہ اہل عرفان کا وہی جذبہ ہے جو خدا شناس لوگوں کی توجہ ماورائے ادراک دنیا کی طرف مبذول کراتا ہے اور ان کے دل میں اللہ کی محبت پیدا کرتا ہے۔ اس کشش کی وجہ سے وہ سب کچھ بھول جاتے ہیں اور ان کے دل سے مختلف خواہشیں معدوم ہو جاتی ہیں۔ یہ کشش انسان کی رہنمائی اس غیر مرئی ذات خداوندی کی پرستش اور حمد کی جانب کرتی ہے جو در اصل سب مرئی اور مسموع اشیاء سے زیادہ روشن اور آشکار ہے۔ درحقیقت یہ باطنی کشش ہی ہے جس نے دنیا میں بہت سے ایسے مذاہب پیدا کئے ہیں جن کی بنیاد خدا کی پرستش پر ہے۔ عارف وہ ہے جو اللہ کی عبادت جزا کی امید یا سزا کے خوف کی بنا پر نہیں بلکہ اس کا علم رکھتے ہوئے اس سے محبت کی وجہ سے کرتا ہے۔[۶]

جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ عرفان کو دوسرے مذاہب کی طرح ایک مذہب نہیں بلکہ تمام مذاہب کا دل سمجھنا چاہئے۔ عرفان عبادت کا ایک کامل تر راستہ ہے

جس کی بنیاد خوف ورجا پر نہیں بلکہ محبت پر ہے۔ یہ دین کی ظاہری صورت اور عقلی فکر سے مطمئن رہنے کے بجائے دین کے باطنی حقائق کو سمجھنے کا راستہ ہے۔ ہر الہامی مذہب کے پیروؤں میں حتیٰ کہ ان مذاہب کے ماننے والوں میں بھی جو بت پرستی کے قائل ہیں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو عرفان کی راہ پر چلتے ہیں۔ مشرکانہ مذاہب اور یہودیت، نصرانیت، مجوسیت اور اسلام سبھی کے پیروؤں میں ایسے اشخاص ہیں جو عارف ہیں۔

اسلام میں عرفان کا ظہور

رسول اکرمؐ کے صحابہ میں سے حضرت علیؑ عرفانی حقائق اور روحانی زندگی کی منازل کے فصیح بیان کے لئے مشہور ہیں۔ اس موضوع پر آپ کے ارشادات علم ودانش کا لازوال خزانہ ہیں۔ دوسرے صحابہ کے اقوال جو ہم تک پہنچے ہیں ان میں اس موضوع پر کافی مواد موجود نہیں۔ تاہم حضرت علیؑ کے رفقاء، مثلاً سلمان فارسی، کمیل ابن زیاد، رشید ہجری، میثم تمار اور اویس قرنی وہ بزرگوار ہیں جنہیں صوفیوں کی اکثریت خواہ وہ سنی ہوں یا شیعہ حضرت علیؑ کے بعد اپنے روحانی سلسلے کی پیشوا مانتی ہے۔

اس گروہ کے بعد کچھ اور حضرات مثلاً طاؤس یمانی، شیبان راعی، مالک بن دینار، ابراہیم ادھم اور شقیق بلخی دوسری صدی ہجری میں منظر عام پر آئے جنہیں لوگ ولی اللہ سمجھتے تھے۔ یہ لوگ برسر عام عرفان اور تصوف کا ذکر کیے بغیر ظاہراً زاہد نظر آتے تھے اور اس حقیقت کو نہیں چھپاتے تھے کہ انہیں پہلے گروہ نے روحانیت سے روشناس کرلیا ہے اور تربیت دی ہے۔

ان کے بعد دوسری صدی ہجری کے اواخر اور تیسری صدی ہجری کے آغاز میں بایزید بسطامی، معروف کرخی اور جنید بغدادی وغیرہ جیسے اشخاص پیدا ہوئے جنہوں نے تصوف کا راستہ اختیار کیا اور کھلے عام تصوف اور عرفان سے اپنے تعلق کا اظہار کیا۔ وہ روحانی بصیرت پر مبنی کچھ باطنی اقوال زبان پر لائے جو ظاہری طور پر مکروہ اور معیوب تھے چنانچہ کچھ فقہا اور متکلمین نے انہیں لعنت ملامت کی اور مجرم قرار دیا لہذا ان میں سے کئی ایک کو قید کیا گیا اور

کوڑے لگائے گئے اور قتل کردیا گیا ہے۔ ے اس کے باوجود وہ گروہ باقی رہا اور تمام مخالفت کے باوجود ان لوگوں نے اپنی اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ یوں عرفان اور طریقت کی نشوونما جاری رہی حتیٰ کہ ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں یہ اپنی وسعت اور قوت کی بلندی پر جاپہنچا۔ اس کے بعد کبھی اس کا زور بڑھ گیا اور کبھی کم ہوگیا لیکن اسکی ہستی برقرار رہی اور اب تک یہ اسلامی دنیا میں باقی ہے۔

اکثر مشائخ عرفان وتصوف جن کے نام تذکروں کی کتابوں میں ملتے ہیں بظاہر سنی مکتب کی پیروی کرتے تھے اور جو طریقت اور تصوف آج کل ہمیں نظر آتا ہے (قرآن وسنت کی تعلیمات سے عاری چند آداب اور رسومات کا مجموعہ) یہ انہی مشائخ کی یادگار کے طور پر باقی ہے اگر چہ بعد میں ان میں سے بعض آداب ورسومات شیعوں میں بھی داخل ہوگئیں۔

مشائخ کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ اسلام میں سیر وسلوک کے کسی پروگرام اور طریقہ کا بیان موجود نہیں ہے بلکہ طریقۂ معرفت نفس وہ طریقہ ہے جسے خود صوفیوں نے ایجاد کیا اور بقول ان کے جس کو اللہ نے اسی طرح قبول فرما لیا جیسے نصرانیوں نے دعوت نصرانیت کے لئے رہبانیت کو مذہب میں داخل کیا تو اللہ کے نزدیک مقبول قرار پائی۔

اس کے باوجود یہ پیشوا اپنا روحانی شجرہ، جو روحانی زندگی میں کسی شخص کے شجرۂ نسب کے مانند ہوتا ہے، اپنے سابقہ پیشواؤں کے واسطے سے حضرت علیؑ سے ملاتے تھے۔ علاوہ ازیں ان کی رویاً اور وجدان کے جو نتائج ہم تک پہنچے ہیں وہ بیشتر توحید الٰہی اور روحانی زندگی کے ان حقائق کے بارے میں ہیں جو ہمیں حضرت علیؑ اور دوسرے ائمہ اہلبیتؑ کے اقوال میں ملتے ہیں۔ یہ حقائق ہمیں نظر آسکتے ہیں بشرطیکہ ہم ان صوفی پیشواؤں کے کچھ جاذب توجہ اور بعض اوقات نفرت انگیز کلمات کا اثر قبول نہ کریں اور ان کی مجموعی تعلیمات کا مطالعہ غور وخوض اور صبر وسکون سے کریں۔

۱۔ روحانی مسلک پر گامزن ہونے سے پیدا ہونے والا تقدس۔۸ جسے صوفی انسان

کا کمال قرار دیتے ہیں ایک ایسی کیفیت ہے جس کا ۔ اہل تشیع کے عقیدے کے مطابق امام مکمل طور پر حامل ہوتا ہے اور اس کے وجود کی نور افشانی کے ذریعے یہ کیفیت اس کے سچے پیرو بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

ب۔ صوفیا کے روحانی قطب ؑ کی ہر دور میں لازمی موجودگی کا عقیدہ اور اس سے منسوب صفات بھی شیعوں کے عقیدۂ امامت سے مطابقت رکھتی ہیں ۔ اہلبیت رسولؐ کے قول کے مطابق امام ۔صوفیاء کی زبان میں ۔ ایک آفاقی انسان ، اسمائے الٰہی کا مظہر اور لوگوں کی زندگیوں اور اعمال کا رہنما ہوتا ہے لہذا اہل تشیع کے ولایت کے تصور کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ روحانی زندگی اور ولایت کے مآخذ کے لحاظ سے صوفی اکابر شیعہ ہیں۔ اگر چہ دین کی ظاہری صورت کے لحاظ سے وہ سنی مکتب کی پیروی کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اہل تشیع کو امام معصوم کے پیرو ہونے کی وجہ سے وہ تمام چیزیں حاصل ہیں جو اہل تصوف بتاتے ہیں۔ اس کے برعکس خود اہل تصوف جس قطب اور انسان کامل کا تصور پیش کرتے ہیں وہ شیعی دنیا کے علاوہ کہیں وجود خارجی نہیں رکھتا۔ ہاں۔ ماننا'' اور'' تصور کرنا'' اور چیز ہے ور ''ہونا'' اور''پانا'' اور چیز ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اہل سنت کی مستند کتابوں میں بھی بعض اوقات یہ کہا گیا ہے کہ شریعت کی ظاہری شکل وصورت اور تعلیمات کے ذریعے طریقت کے روحانی مسلک ؎۱ یعنی اس طریق کی وضاحت ممکن نہیں جس کا اہل تصوف دعویٰ کرتے ہیں۔ اس کے برعکس صوفیاء کا دعویٰ ہے کہ اس سلسلے میں مسلمانوں نے انفرادی طور پر بعض ایسے طریقے اور دستور دریافت کر لیے ہیں جنہیں اللہ نے قبول فرمالیا ہے جیسے کہ اس نے نصرانیت میں رہبانیت کو قبول کرلیا ہے ؎۱ لہذا مشائخ طریقت میں سے ہر ایک نے جو آداب ورسوم درست سمجھے انہیں سیر وسلوک کے پروگرام میں شامل کر دیا ہے اور اپنے مریدوں کو اس پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا اور بتدریج ایک وسیع اور مستقل پروگرام وجود میں آگیا۔ مثلاً

اطاعت وتلقین ، ذکر وخرقہ اور موسیقی وغنا کا استعمال اور ذکر کے موقع پر وجد اور حال اور بعض سلسلوں میں نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ شریعت اور طریقت نے دو مختلف راستے اختیار کیے اور اس روش پر چلنے والے عملی طور پر باطنیہ کے ساتھ ملحق ہوگئے لیکن شیعہ نقطہ نظر کے مطابق جو کچھ اسلام کے اصلی مدارک (کتاب وسنت) سے پتہ چلتا ہے وہ اس کے برعکس ہے اور یہ ہرگز ممکن نہیں کہ دینی بیانات اس حقیقت کی جانب رہنمائی نہ کریں یا بعض پروگرام واضح کرنے میں کوتاہی برتیں یا کسی شخص کے لئے (خواہ وہ کوئی بھی ہو) اپنے واجبات اور محرمات کو نظر انداز کردیں۔

عرفان کی وضاحت:

خداوند عالم نے قرآن مجید میں انسان کو کئی جگہ حکم دیا ہے کہ کتاب اللہ میں غور کرے اور یہ کوشش جاری رکھے اور اس کے مندرجات کو محض سطحی طور پر سمجھنے پر اکتفا نہ کرے۔ بہت سی آیات میں کائنات اور تمام تر مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں (آیات) قرار دیا گیا ہے۔ آیت اور نشانی جیسے الفاظ کے معانی کے بارے میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مختلف اشیاء کو یہ نام اس لئے دیے گئے ہیں کہ یہ خود اپنے آپ کو اس قدر ظاہر نہیں کرتیں جتنی اپنے علاوہ ایک اور حقیقت کو ظاہر کرتی ہیں۔ مثلاً جب انسان ایک دفعہ سرخ روشنی کو خطرے کے نشان کے طور پر دیکھ لیتا ہے تو پھر اس کے دماغ پر خطرے کا خیال چھا جاتا ہے اور وہ سرخ روشنی پر کوئی توجہ نہیں دیتا۔ اگر وہ روشنی کی شکل وماہیت اور رنگ کی طرف توجہ دینے لگے تو پھر اس کے دماغ میں خطرے کا تصور پیدا ہوجانے کے بجائے بتی کی شکل، اس کے شیشے اور رنگ کا تصور پیدا ہوگا۔ اسی طرح اگر کائنات اور اس کے مظاہر ہر لحاظ سے خالق کائنات کی نشانیاں ہیں تو پھر وہ آزاد وجود کے حامل نہیں ہیں۔ ہم خواہ انہیں کسی زاویہ نگاہ سے دیکھیں وہ اللہ کے سوا کسی چیز کی طرف نشاندہی نہیں کرتیں۔ جو شخص قرآن مجید کے زیر ہدایت دنیا اور اہل دنیا کو اس زاویہ نگاہ سے دیکھے وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کا ادراک نہیں کرتا۔ اس مستعار حسن

کو دیکھنے کے بجائے جسے لوگ دنیا کے دلکش خدوخال میں دیکھتے ہیں وہ ایک بے پایاں حسن کو دیکھتا ہے وہ ایک ایسے محبوب کو دیکھتا ہے جو اپنا جلوہ دنیا کی تنگنائی سے دکھاتا ہے۔ بلاشبہ جیسا کہ سرخ روشنی کی مثال میں بتایا گیا ہے جو چیز نشانیوں میں دیکھی جاتی ہے وہ دنیا نہیں بلکہ دنیا کے خالق کی ذات ہے۔ ایک خاص نقطہ نگاہ سے اللہ اور دنیا کے مابین رشتہ (۱+۱) یا (۱×۱) کا نہیں بلکہ (۱+۰) کا ہے (جس سے مراد یہ ہے کہ دنیا اللہ کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتی اور اس کی ذات میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کرتی۔)

جیسے ہی انسان کے دل میں اس حقیقت کا شعور پیدا ہوتا ہے اس کی اپنی علٰحدہ ہستی کا خیال ٹوٹ جاتا ہے اور اچانک اسکے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت جاگزیں ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے یہ شعور آنکھ، کان یا دوسرے ظاہری حواس کی بدولت یا تخیل یا دماغ کی قوت کے ذریعے پیدا نہیں ہوتا کیونکہ یہ تمام اعضاء بجائے خود نشانیاں ہیں اور جس روحانی ہدایت کا یہاں ذکر ہورہا ہے۔ اس کے لئے ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ ۱۲

جس شخص کی رسائی جلوۂ الٰہی تک ہو اور جو فقط اللہ کو یاد رکھنا چاہتا ہو اور باقی سب کچھ بھلا دینا چاہتا ہو جب وہ یہ سنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر فرماتا ہے۔

"اے ایمان والو! تم اپنے نفسوں کے خود ذمہ دار ہو۔ اگر تم راہ راست پر ہو تو کوئی گمراہ شخص تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔" (سورہ مائدہ آیت ۱۰۵)

تو پھر وہ سمجھ جاتا ہے کہ وہ واحد شاہراہ جو اس کی مکمل رہنمائی کرسکتی ہے، "خود شناسی" کی شاہراہ ہے۔ اس کا سچا رہنما جو خود اللہ تعالیٰ ہے اسے اس بات کا پابند بناتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو سمجھے۔ تمام دوسرے راستے چھوڑ کر خود شناسی کا راستہ تلاش کرے، اللہ تعالیٰ کو اپنی روح کے دریچے سے دیکھے اور یوں اپنی تلاش کا حقیقی مقصد پالے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے۔

"جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔" ۱۳

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

''تم میں سے وہ لوگ اللہ کو بہتر پہچانتے ہیں جو اپنے آپ کو بہتر پہچانتے ہیں۔''[۱۴]

جہاں تک سیر و سلوک کا یہ راستہ اختیار کرنے کا تعلق ہے قرآن مجید کی بہت سی آیات ہیں جو اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنے کی تاکید کرتی ہیں، مثلاً ایک جگہ ارشاد ہوا ہے۔

''مجھے یاد کرو اور پھر میں بھی تمہیں یاد کروں گا۔'' سورہ بقرہ آیت ۱۵۲)

انسان کو یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ نیک اعمال کرے جن کی وضاحت قرآن مجید اور حدیث میں کردی گئی ہے۔ نیک اعمال کا ذکر کرتے ہوئے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

''بے شک تمہارے لئے اللہ کا رسول بہترین نمونہ ہے۔''

(سورہ احزاب۔، آیت ۲۱)

یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اسلام ایک مخصوص راہ کو وہ راہ قرار دے جو اللہ کی طرف لے جاتی ہے جب تک وہ تمام لوگوں کو اس راہ سے متعارف نہ کرادے؟ اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ اس راہ کے بارے میں بتائے لیکن یہ وضاحت نہ کرے کہ اس پر چلنے کا کیا طریقہ ہے؟

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

''اے رسولؐ! ہم نے تم پر کتاب (قرآن) نازل کی جس میں دین اور دنیا کا واضح طور پر بیان ہے۔'' (سورہ نحل۔ آیت ۸۹)

☆☆☆☆☆

حوالے:

۱۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ پہلی جلد کی ابتداء

۲۔ جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ اس سیاق وسباق میں فلسفے کے معنی روایتی فلسفے کے ہیں جو یقین پر مبنی ہے۔ اس سے مراد جدید فلسفہ نہیں ہے جو شک سے شروع ہوتا ہے اور دماغ کو عقل تک

محدود کر دیتا ہے۔

۳۔ان مسائل پر ابن القفطی کی اخبار الحکماء (مطبوعہ لیپزنگ ۱۹۰۳ء) وفیات الاعیان اور حکماء کی دوسری سوانح عمریوں میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

۴۔ یہ سب بعد کے زمانے (ساتویں سے گیارھویں صدی ہجری بمطابق تیرھویں سے سترھویں صدی میلادی) کے ممتاز فلسفی ہیں۔ اہل مغرب ان سے تقریباً ناواقف ہیں بجز طوسی کے اور وہ بھی فلسفے کی بجائے ریاضیات کے لئے زیادہ مشہور ہیں۔

۵۔ ارسطو کی طرح سابقہ مسلمان فلسفیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ حرکت چیزوں کے جوہر میں نہیں بلکہ ان عوارض (کم وکیف) میں ممکن ہے۔ ملاصدرا نے اس کے برعکس یہ دعویٰ کیا کہ جب کبھی کوئی چیز حرکت میں شریک ہوتی ہے تو فقط اس کے عوارض نہیں بلکہ اس کا جوہر بھی حرکت کرتا ہے پس چیزوں کے اندر ایسی صلاحیت موجود ہے جن کی بدولت وہ آفاقی ہستی کے بلند مدارج پر پہنچ سکتی ہیں۔ تاہم اس نظریے کو جدید نظریہ ارتقاء سے گڈمڈ نہیں کرنا چاہیے۔

۶۔ امام جعفر صادق علیہ اسلام نے فرمایا ہے: "عبادت کی تین قسمیں ہیں۔ ایک گروہ اللہ کی عبادت خوف کی بنا پر کرتا ہے ور یہ غلاموں کی عبادت ہے ایک اور گروہ اللہ کی عبادت صلے کی خاطر کرتا ہے اور یہ مزدوروں کی عبادت ہے۔ تیسرا گروہ اللہ کی عبادت اس سے محبت اور اخلاص کی وجہ سے کرتا ہے اور یہ آزاد لوگوں کی عبادت ہے یہی عبادت کی بہترین صورت ہے۔" بحار الانوار جلد ۱۵ ص ۔ ۲۰۸۔

۷۔ حکماء کی سوانح حیات پر لکھی گئی کتابیں اور عطار کی کتاب تذکرۃ الاولیاء (مطبوعہ تہران ۱۳۲۱ھ شمسی) اور معصوم علی شاہ کی کتاب "طرائق الحقائق" (مطبوعہ تہران ۱۳۱۸ھ) ملاحظہ کریں۔

۸۔عرفاء کی زبان میں جب عارف اپنے آپ کو فراموش کر دیتا ہے تو فنافی اللہ ہوجاتا ہے اور اللہ کی رہنمائی اور ولایت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔

۹۔ عرفاء کہتے ہیں کہ دنیا نے اپنی ظاہری ہستی اللہ کے ناموں سے حاصل کی ہے اور اسی بنا پر وہ اپنا سفر طے کر رہی ہے۔ اللہ کے تمام ناموں کا مصدر اس کا ''مکمل اور اعلیٰ ترین نام'' ہے۔ اس کا اعلیٰ ترین نام آفاقی انسان کا مقام ہے جسے کائنات کا قطب بھی کہا جاتا ہے۔ کائنات کبھی قطب سے خالی نہیں رہتی۔

۱۰۔ اسلام میں روحانی راستے کو سیر و سلوک کہا جاتا ہے اس کے معنی خود انسان کے اللہ کی جانب سفر کرنے کے ہیں۔

۱۱۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'' رہبانیت ان لوگوں نے (یعنی عیسائیوں نے) خود ایجاد کی تھی ہم نے انہیں اس کا حکم نہیں دیا تھا۔ انہوں نے یہ طریقہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اختیار کیا مگر اسے صحیح طور پر نبھا نہ سکے۔ (سورہ حدید آیت ۲۷)

۱۲۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

''خدا وہ نہیں جو علم کے احاطے میں آجائے۔ خدا وہ ہے جو دلیل کی رہنمائی اپنی جانب کرتا ہے۔'' (بحار الانوار جلد ۴ ص ۔ ۱۸۶)

۱۳۔ ایک معروف حدیث جس کی سنی اور شیعہ صوفیاء اور عرفاء کی کتابوں میں بالخصوص تکرار کی گئی ہے۔

۱۴۔ یہ حدیث بھی شیعہ اور سنی عرفاء کی کتابوں میں نقل کی گئی ہے۔